© rasailojaraid.com

نقد و نظر

مولانا برق التوحیدی

اسلام کا قانونِ سرقہ

(بسلسلہ تعزیرات اسلام) قسط (۳)

قولہ: قاضی کو چاہیے کہ وہ چور کو کہے کہ وہ اپنے اقرار سے رجوع کرلے (دفعہ ۵ جزو ب)

اقول: اس بات کی سطحیت پر کچھ کہے بغیر ہم قاضی صاحب کے دلائل کا تجزیہ کرتے ہیں۔ آپ نے پہلے ابوامیہ مخزومی کی حدیث سے استدلال کرتے ہوئے امام ابوحنیفہؒ کے قول کی تائید کرنے کی کوشش فرمائی ہے۔ حالانکہ اس حدیث میں کوئی لفظ تک ایسا نہیں جس سے یہ معلوم ہو کہ قاضی کو رجوع عن الاقرار کے متعلق تلقین کرنی چاہیے بلکہ علامہ خطابی تو اس حدیث کے متعلق فرماتے ہیں:

فی اسنادہ مقال قال والحدیث اذا رواہ مجهول لم یکن حجة ولم یجب الحکم بہ (التلخیص لابن حجر ص ۳۵۶)

اسی طرح جو روایت ابن عمر وغیرہ سے پیش کی ہے جس کے الفاظ ہیں "قال لسارقہ اسرقت قال لا" ان الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ سارق نے ابھی اقرار کیا ہی نہیں تو رجوع کے کیا معنی؟ لیکن اس سے قطع نظر نہ معلوم موصوف نے سبل السلام سے روایات نقل کرتے وقت روایتی تحریف و تصحیف سے کام لیتے ہوئے روایات پہ مذکورہ جرح کو کیوں نظر انداز کر دیا حالانکہ اس حدیث کے معاً بعد صاحب سبل السلام رقمطراز ہیں:

قال الرافعی لم یصححوا هذا الحدیث وقال الغزالی قوله قل لا لم یصححه الائمة (سبل السلام ج ۴ ص ۱۹)

یہی جرح ذرا تفصیل کے ساتھ حافظ ابن حجر نے التلخیص الحبیر ص ۳۵۶ پر بھی نقل کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ روایت قابل احتجاج نہیں۔

حافظ ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ ایسی حالت میں اس کے رجوع سے قبل کا اقرار دو صورتوں سے خالی نہیں کہ یا تو وہ اپنے اقرار میں سچا ہے یا جھوٹا۔ اگر پہلی صورت ہے تو اس پر حد کو جاری نہ کرنا فرض کو معطل کرنے کے مترادف ہے اور اگر غلط اقرار تھا تو پھر اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے ہرجانہ وصول کرنا ظلم ہے۔ یاد رہے جو لوگ رجوع کے قائل ہیں وہ رجوع کو معتبر سمجھنے کے باوجود سارق سے ہرجانہ وصول کرنے کے بھی قائل ہیں۔"

حافظ ابن حزم کے الفاظ ہیں:

فلا یخلو اقرارہ ذلک ضرورۃ من احد وجہین لا ثالث لہما اما ان یکون صادقاً انہ سرق منہ ما ذکر او یکون کاذباً فی ذلک فان کان صادقاً فقد عطلوا الفرض اذ لم ینفذوا علیہ ما امر اللہ تعالیٰ بہ من قطع ید السارق وان کان کاذباً فقد ظلموا اذ غرموہ مالم یجب لہ عندہ قط (المحلی ص۳۲۴ ج۱۱)

ابن قدامہؒ فرماتے ہیں کہ:-

ھذا قول اکثر الفقہاء وقال ابن ابی لیلیٰ وداؤد لا یقبل رجوعہ لانہ لو اقر لآدمی بقصاص او حق لم یقبل رجوعہ عنہ (المغنی ص۲۹۳ ج۱۰)

لیکن تعجب ہے کہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں:

واذا اقر الرجل بالزنا او بشرب الخمر او بالسرقۃ ثم رجع قبلت رجوعہ قبل ان تاخذہ السیاط او الحجارۃ او الحدید (کتاب الام ص۱۳۹ ج۶)

حالانکہ حدود کا عملی اجراء کوئی ایسا داعیہ نہیں ہے جس سے حدود میں رد و بدل غیر ممکن ہو جاتا ہے جبکہ یہ حقیقت مسلمہ ہے کہ اگر شبہ معقول یا کسی اور معقول وجہ سے اس کا جرم ثابت نہیں ہوتا تو اس کی حد معتدل ہونی چاہیے اور اگر رجوع عن الاقرار ایسا لاحقہ ہے ہی تو پھر حدود کو معطل کیوں نہیں کیا جاتا؟

اس سے بھی عجیب فتویٰ امام مالکؒ کا ہے کہ ان سے دریافت کیا گیا کہ ایک آدمی ہزار درہم چرا لیتا ہے اور اقرار کرتا ہے لیکن بعد میں اقرار سے رجوع کر لیتا ہے اور مسروق عنہ اس سے اپنے مال کا متقاضی بھی ہے تو آپ فرماتے ہیں کہ اس صورت میں سارق سے ہزار درہم تو لیے جائیں لیکن ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ (المدونۃ الکبریٰ ص۲۹۶ ج۶)

اب ہر ذی شعور یہ سمجھ سکتا ہے کہ اس طرح تو حد سرقہ کا وجود ہی ختم ہو کر رہ جاتا ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ مذکورہ ابحاث کی طرح اس موقع پر بھی چور پیشہ حضرات کی مکمل حوصلہ افزائی کی گئی ہے۔ اور حدود کو شعوری یا غیر شعوری طور پر معطل کرنے کی ناکام کوشش کی گئی ہے؛ حالانکہ اس صورت کو زیادہ سے زیادہ اس دور پر محمول کیا جا سکتا ہے جب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لوگوں میں خود یہ جذبہ تھا کہ وہ اپنی بار بار آکر تطہیر چاہتے تھے یعنی وہ خیر القرون کا دور تھا لیکن یہ دور پُرفتن ہے اور لوگوں کی حالت اتنی ناگفتہ بہ ہے کہ الامان والحفیظ۔ لہٰذا اس صورت پر نظرِ ثانی کی ضرورت ہے۔ بہر حال یہ ایک توجیہ ہے ورنہ ایسے قاضی کو بھی عبرتناک اور قرار واقعی سزا ملنی چاہیے۔

چنانچہ اس بحث کو محمد بن عبد العزیز الخولی کے اس سلسلہ میں سبل السلام کے حاشیہ پر ایک قابلِ قدر ریمارکس پر ختم کرتے ہیں:

كيف نلقن السارق الذى ينتهك حرمات الاموال الانكار؟ وهل هذا الا تعطيل للحدود واغراء للسارقين على ان يعثوا فى الارض فسادا (سبل السلام ص ۱۹ ج ۴)

لطیفہ۔ لطف کی بات یہ ہے کہ قاضی صاحب دفعہ ۵ کے جزء ج کے تحت فرماتے ہیں کہ "مال کے حق میں اقرار سے رجوع مال کو ساقط نہیں کرے گا البتہ اقرار سے رجوع کرنے پر اس کو تعزیری سزا دی جائے گی۔

لیکن ہماری سمجھ سے یہ بات بالاتر ہے کہ ایک طرف تو رجوع کی بنا پر حد ساقط کی جا رہی ہے لیکن مال کا مطالبہ برقرار ہے تو یہ مال کس حیثیت سے لیا جا رہا ہے؟ پھر جب حد ساقط ہو گی تو تعزیری سزا۔ چہ معنی دارد؟ مزید برآں رجوع عن الاقرار کے متعلق اس موقع پر حضرت ماعز اسلمیؓ کا واقعہ پیش کیا گیا ہے جس کا ایک نقطہ بھی اس بات کو مشعر نہیں کہ آپ نے اقرار سے رجوع کر لیا تھا اور ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ اگر آپ کے فرار سے احتجاج ہے تو پھر ؎

چہ نسبت خاک را بعالمِ پاک

یک نہ شد دو شد۔ ہم قاضی صاحب کی دفعہ ۵ کے جزء ج کا رونا رو رہے تھے کہ جزء د میں بھی یہی گوہر افشانی کی گئی ہے کہ جبری طور پر اگر سارق اقرار کرے تو حد نافذ نہیں ہو گی البتہ مال یا اس کا تاوان ادا کرنا پڑے گا۔

اس موقع پر بھی ہم ابن حزم کے تجزیہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے اہل بصارت و بصیرت سے بڑے افسوس سے یہ عرض کرتے ہیں کہ وہ فقہ کی اس گتھی کو سلجھائیں کہ آخر جب جبر کی وجہ سے حد ساقط ہو گی تو مال کس حیثیت سے لیا جا رہا ہے، اگر مال سارق کی حیثیت سے لیا جا رہا ہے تو حد کس حیثیت سے ساقط کی گئی ہے؟

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جب کہ قاضی صاحب شامی سے نقل فرماتے ہیں کہ ہمارے زمانے میں فساد کی کثرت کی وجہ سے متاخرین کے فتوے پر عمل کرنا چاہیے یعنی چوری کے الزام میں چور پر جبر و تشدد بھی جائز ہے تو اس صورت میں مذکورہ بالا جزء ۵ کی وضاحت کا کیا مطلب؟

لغت دانی - ہم اپنے مضمون کے اوائل میں غالباً یہ بات عرض کر چکے ہیں کہ اگر قاضی صاحب کو علمِ لغت میں کچھ مہارت ہوتی یا کتب لغت سے دلچسپی ہوتی تو آپ سرقہ وغیرہ کی تعریف میں ٹھوکر نہ کھاتے۔ جب کہ یہ بات محقق ہے کہ اگر انسان کو لغت کی اصطلاحات یا اس بات کا علم نہ ہو کہ صلہ کے بدل جانے سے معانی میں بھی فرق آجاتا ہے جیسا کہ تبدیلی اعراب سے معنیٰ بھی تبدیل ہو جاتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ تو کوئی شخص عربی عبارت کا مفہوم صحیح طور پر نہیں سمجھ سکتا یہ بات تو مشہور ہی ہے کہ لولا الاعتبارات لبطلت الحکمۃ اب کے انھوں نے دفعہ ۶ میں بھی ایسی ہی بات کہی ہے جو ان کی اصولِ لغت سے عدم واقفیت پر دلالت کرتی ہے چنانچہ آپ فرماتے ہیں کہ:

لفظ "اشھد" (میں شہادت دیتا ہوں) مشاہدہ، قسم اور حال تینوں کو متضمن ہے اس لیے اس لفظ کے علاوہ کسی اور لفظ سے شہادت درست نہیں۔ علامہ کاسانی حنفیؒ نے بھی لکھا ہے کہ:

منہا لفظ الشہادۃ فلا تقبل بغیرہا من الالفاظ کلفظ الاخبار والاعلام ونحوہا وان کان یؤدی معنی الشہادۃ تعبدًا غیر معقول المعنیٰ (البدائع والصنائع ص ۲۷۳۹ ج ۹)

اولاً:- اس میں یہ تناقض ہے کہ آپ نے پہلے کہا ہے کہ "میں گواہی دیتا ہوں" بھی ٹھیک ہے۔

ثانیاً:- مشاہدہ کو ظاہر کرنے کے لیے اور زمانہ حال پر دلالت کرنے والے الفاظ اور بھی ہو سکتے ہیں مثلاً "میں کہتا ہوں کہ فلاں آدمی کو میں نے ایسے کرتے دیکھا ہے" یا "میں اقرار کرتا ہوں کہ میں نے یہ کام کیا ہے" وغیرہ وغیرہ۔

ثالثاً:- جہاں تک اس میں قسم کا تعلق ہے تو پہلے یہ بات بایں وجہ بالکل ناقابلِ التفات ہونے کے ساتھ محتاج وضاحت بھی ہے کہ کیا گواہی میں قسم کی ضرورت (یا شرط) بھی ہے یا نہیں اگر نہیں تو اس خصوصیت کے کیا معنیٰ؟

پھر قاضی صاحب نے اس کی تائید میں یہ محاورہ پیش کیا ہے کہ "اشھد باللہ لقد کان کذا" حالانکہ ایک مبتدی بھی اس جملہ کے متعلق جانتا ہے کہ اس میں قسم کا معنیٰ محض اشھد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہیں مضمر نہیں بلکہ باللہ کی وجہ سے ہے یعنی قرائن کے بغیر اشہد قسم کے معنیٰ میں استعمال نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ صاحب لسان العرب "فشھادۃ احدھم اربع شھادات باللہ" کے بعد فرماتے ہیں "الشھادۃ معناھا الیمین ھٰھنا"۔

عبارت کے الفاظ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ قرائن کے بغیر "اشہد" میں قسم کا معنیٰ نہیں پایا جاتا۔ اور اسی قسم کی قرائن سے متصف بات صاحب تاج العروس نے بعض اہل لغت سے نقل کی ہے۔ بنا بریں ہم علیٰ وجہ البصیرت یہ بات کہہ سکتے ہیں کہ کسی بھی اہل لغت نے کہیں بھی اس بات کی صراحت نہیں کی کہ محض "اشہد" میں قسم کے معنی بھی پائے جاتے ہیں۔ فاتوا برھانکم ان کنتم صٰدقین۔ بالفرض یہ بات تسلیم کرلی جائے تو قاضی صاحب کیا فرماتے ہیں ایسے شخص کے متعلق جو "اشہد" کے ساتھ اقرارِ سرقہ کرتا ہے لیکن قاضی اسے رجوع کے لیے کہتا ہے اور وہ رجوع کر لیتا ہے تو کیا وہ حانث ہوگا یا نہیں؟ پھر نہ معلوم قاضی صاحب سے یہ حقیقت کیوں اوجھل رہی کہ جس امام علیہ الرحمۃ کی تائید میں وہ اس قدر کوشاں ہیں وہ تو نماز میں بھی لسانی اور معنوی ردو بدل کے قائل ہیں تو اس شہادت میں کیونکر ردو بدل نہیں ہو سکتا؟

قولہ: جن گواہوں کے حالات قاضی کسی دوسرے مقدمہ میں معلوم کر چکا ہو اگر وہی گواہ اسی قاضی کے سامنے کسی اور مقدمہ میں شہادت کے لیے حاضر ہوں تو ان کے حالات دوبارہ قاضی معلوم نہیں کرے گا بشرطیکہ چھ ماہ کے اندر حاضر ہوئے ہوں ورنہ دوبارہ ان کے حالات معلوم کرے گا (دفعہ ۸ جز ب)

اقول: چھ مہینے کی تعیین کی وجہ ترجیح کیا ہے؟ جب کہ کسی آدمی کا "مرضی" ہونا ایک منٹ سے لے کر لاانتہا ہی وقت کے درمیان بھی ممکن ہے۔ نیز نوعیتِ مقدمہ گواہوں کی حیثیت پر اثر انداز کیوں نہیں ہوتی؟

قولہ: سرقہ اور دیگر حدود کے مقدمات میں گواہی پر گواہی کو قبول نہیں کیا جائے گا البتہ مالی حقوق کے بارے میں قبول کیا جائے گا (دفعہ ۱۱)

اقول: حدود اور مالی حقوق کا فرق کس نص صریح پر مبنی ہے؟ جبکہ قاضی صاحب نے تزکیہ شہود دفعہ ۸ کے ضمن میں یہ بات لکھی ہے کہ صاحبین کے نزدیک تمام مقدمات میں گواہوں کا تزکیہ کرنا ضروری ہے۔ اور فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے!

اور ہمارے اس مدعا کی حافظ ابن قیم کا یہ قول بھی تائید کرتا ہے: "ولا یعرف عن احد من الصحابۃ والتابعین اشتراط لفظ الشھادۃ" اس مسئلہ کی مزید تفصیل کے لیے زاد المعاد ۱۹۵/۲۴۰ کی طرف مراجعت فرمائیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قولہ: سرقہ، زنا اور خمر کے مقدمات کے شاہد واقعہ کے بعد ایک ماہ کے اندر اندر قاضی کے پاس واقعہ کی شہادت دیں ورنہ بعد کی شہادت قبول نہ ہوگی مگر قذف، قصاص اور مالی حقوق کے بارے میں قبول ہوگی۔

اقول: ایک ماہ بعد گواہ اس قابل کیوں نہیں رہتا کہ اس کی شہادت قبول نہ کی جائے؟ سرقہ زنا اور شرب خمر نیز قذف اور قصاص وغیرہ میں من حیث المقدمات کیا فرق ہے؟ کہ زائد المیعاد شہادت قسم الثانی میں تو قبول ہو اور قسم اول میں مردود؟ اگر قسم اول خالص حق اللہ کے مقدمات ہیں تو قاضی صاحب نے آگے چل کر دفعہ ۱۹ کے ضمن میں تسلیم کیا ہے کہ حقوق العباد حقوق اللہ سے زیادہ اہمیت رکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ امام شافعیؒ نے حقوق العباد اور حقوق اللہ میں کوئی فرق نہیں کیا اور کسی قسم کی مدت کا تعین نہیں کیا۔ کیونکہ وہ حقوق اللہ کو بھی حقوق العباد ہی پر قیاس کرتے ہیں۔

اور اگر بنظر عمیق دیکھا جائے تو حقوق العباد میں تو اکثر اوقات نہیں بلکہ ہمیشہ حقوق اللہ آتے ہی ہیں لیکن حقوق اللہ کے ضمن میں حقوق العباد کا آنا کوئی ضروری امر نہیں۔ اس اعتبار سے بھی اگر حقوق العباد میں زائد المیعاد شہادت قبول ہے تو حقوق اللہ میں بالاولیٰ قبول ہونی چاہیے!

قولہ: اگر اجرائے حد تک درج ذیل شروط میں سے کوئی شرط فوت ہو جائے تو حد ساقط ہو جائے گی اور تعزیری سزا عائد ہوگی۔ پہلی شرط —— اجرائے حد تک سارق اور مسروق منہ کے درمیان خصومت قائم ہو" (دفعہ ۱۴ ترجمان القرآن فروری ۱۹۷۸ء) اس کے بعد اس ضمن میں قاضی صاحب نے پانچ امور ذکر کیے ہیں جن سے خصومت ختم ہو جاتی ہے۔

اقول: لیکن درحقیقت وہ امور تقریباً ایسے ہیں جو کہ عدالتی کارروائی کے موانع کے ضمن میں آتے ہیں حالانکہ شرعی نقطۂ نظر سے کوئی مقدمہ جب عدالت میں چلا جائے تو مدعی کو حق ہی حاصل نہیں کہ وہ اپنے دعوے میں ردوبدل کرے (ورنہ ایسے مدعی کو سزا ملے گی) جیسا کہ حضرت صفوان بن امیہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے اور اسی بنا پر علامہ ابن رشد لکھتے ہیں۔

واتفقوا علی ان لصاحب السرقۃ ان یعفوا عن السارق مالم یرفع ذلک الی الامام لما روی عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تعافوا الحدود بینکم فما بلغنی من حد فقد وجب" وقولہ علیہ السلام "لو کانت فاطمۃ بنت محمد لاقمت علیہا الحد" وقولہ لصفوان " ھلا کان ذلک قبل ان تاتینی "
(البدایۃ المجتہد ص ۳۳۹ ج ۲)

یعنی یہ عفو وغیرہ کا سلسلہ قبل از عدالت ہونا چاہیے۔ اسی طرح آپ نے ہبہ کے متعلق لکھا ہے۔ ہبہ کے متعلق امام مالک اور امام شافعی کا خیال ہے کہ حد جاری ہوگی۔ "لانہ رفع الی الامام" نیز امام احمدؒ اور امام ابویوسفؒ کا بھی یہی خیال ہے۔ علامہ فراء حنبلی فرماتے ہیں:

اذا وھبت لہ السرقۃ لم یسقط عنہ القطع، اذا عفا رب المال عن القطع لم یسقط (الاحکام السلطانیۃ ص ۲۵۲)

اسی طرح شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے قاطع الطریق کے متعلق فرمایا ہے کہ اگر وہ قتل کردے تو مقتول کے ورثاء کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ بعد میں اسے معاف کریں بلکہ قاضی کو حد جاری کرنا ہوگی کیونکہ اس نے کسی خاص امر کی بنا پر اسے قتل نہیں کیا بلکہ مال کی وجہ سے قتل کیا ہے اور اسی طرح سارق کا معاملہ ہے۔ چنانچہ انہوں نے مفصل بحث کی ہے اس کا اختصار ملاحظہ ہو۔

ولھذا اتفق الفقہاء علی ان قاطع الطریق لاخذ المال یقتل حتما وقتلہ حد للہ وقتلہ مفوض الی اولیاء المقتول قالوا لان ھذا لم یقتلہ لغرض خاص معہ انما قتلہ لاجل المال فلا فرق عندہ بین ھذا المقتول وبین غیرہ فقتلہ مصلحۃ عامۃ فعلی الامام ان یقیم ذلک ــ وکذلک السارق لیس غرضہ فی مال معین و انما غرضہ اخذ مال ھذا ومال ھذا، کذلک کان قطعہ حقا واجبا للہ لیس لرب المال بل رب المال یاخذ مالہ وتقطع ید السارق۔ حتی لو قال صاحب المال انا اعطیہ مالی لم یسقط عنہ القطع کما قال صفوان للنبی صلی اللہ علیہ وسلم انا اھبہ رداءی فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم "فھلا فعلت قبل ان تاتی بہ" و قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من حالت شفاعتہ دون حد من حدود اللہ فقد ضاد اللہ فی امرہ ومن خاصم فی باطل وھو یعلم لم یزل فی سخط اللہ حتی ینزع ومن قال فی مسلم ما لیس فیہ حبس فی ردغۃ الخبال حتی یخرج مما قال" وقال الزبیر بن العوام۔ "اذا بلغت الحدود السلطان فلعن اللہ الشافع والمشفع"۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(فتاوىٰ ابن تیمیہ ج ۳۴ ص ۲۲۹)

گویا کہ شیخ الاسلام کے نزدیک رب المال کا ایسا رویہ اختیار کرنا دراصل حدود اللہ میں سفارش کرنے کے مترادف ہے جو کہ حرام ہے۔

معذرت

ہمیں افسوس ہے کہ صاحب مضمون نے یہاں ایسی تند و تیز زبان استعمال کی ہے جو علمی نقد کی بجائے ذاتی حملوں کی زد میں آتی ہے۔ محدث کا مسلک علمی اختلاف کی گنجائش تو رکھتا ہے، لیکن اس کے لیے ایسا ناروا لہجہ گوارا نہیں۔

صاحب مضمون سے درخواست ہے کہ وہ اپنا زور بیان علمی دلائل کی حد تک محدود رکھیں۔ ہمارے لیے یہ بھی مشکل ہے کہ سارا مضمون اپنی زبان میں منتقل کر کے شائع کریں اور یہ شاید موصوف کے مافی الضمیر کی ادائیگی کما حقہ کرنے میں مخل ہو۔ (محدث)

اضطراب۔ قاضی صاحب فرماتے ہیں کہ حدیث صفوان میں اضطراب متن ہے لیکن واضح ہو کہ اضطراب فی السند ہو یا فی المتن، وہ موجب قدح ہوتا ہے جو ناقابلِ ارتفاع ہو لیکن ہم کو تو اس حدیث میں ایسا کوئی اضطراب نظر نہیں آیا جو قاضی صاحب نے دیکھ لیا۔ شاید کہیں یہ بات نہ ہو کہ تقلید کی رنگین عینک میں حدیث کے شفاف مسائل بھی کچھ ویسے ہو جاتے ہیں۔

لیکن ہم ابوداؤد اور مستدرک للحاکم کی روایات کے الفاظ قارئین کے سامنے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رکھتے ہیں تاکہ وہ کچھ فیصلہ فرمائیں کہ ان میں اضطراب ہے یا نہیں؟ یا قاضی صاحب وضاحت فرمائیں جو کہ انہیں پہلے فرمانا چاہیے تھی۔ ملاحظہ ہوں ابوداؤد کی روایت کے الفاظ:

عن صفوان بن امیۃ قال کنت نائمًا فی المسجد علی خمیصۃ لی ثمن ثلثین درھما فجاء رجل فاختلسھا منی فاخذ الرجل فاتی بہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فامر بہ لیقطع قال فاتیتہ فقلت اتقطعہ من اجل ثلاثین درھما انا ابیعہ وانسئہ ثمنھا قال فھلا کان ھذا قبل ان تاتینی بہ (ابوداؤد ص ۲۴۷ ج ۲ طبع مجیدی کانپور)

امام حاکمؒ نے ایک روایت مستدرک میں ان الفاظ سے نقل فرمائی ہے

"عن صفوان بن امیۃ قال کنت نائمًا فی المسجد علی خمیصۃ لی ثمن ثلاثین درھما فجاء رجل فاختلسھا منی فاخذ الرجل فجیء بہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فامر بہ لیقطع فاتیتہ فقلت اتقطعہ من اجل ثلاثین درھما انا ابیعہ وانسئہ ثمنھا قال فھلا کان ھذا قبل ان تاتینی بہ" (مستدرک للحاکمؒ ص ۳۸۰ ج ۴)

اب قارئین فیصلہ فرمائیں کہ اس میں کیا اضطراب ہے؟ جب کہ سند میں بھی کسی قسم کا اضطراب نہیں جس کو ہم نے اختصار کے پیش نظر ترک کر دیا ہے۔ کہیں یہ مذہبی قلق اور تقلیدی اضطراب کی تسکین کا شاخسانہ تو نہیں کہ اضطراب معرضِ وجود میں آگیا۔ نیز قاضی صاحب کو اصولی نقطۂ نظر سے نہ سہی ایک مقلد کی حیثیت سے تو اس اضطراب کو سند میں سے ثابت کرنا چاہیے تھا مگر ——— اِنْ ھُمْ اِلَّا یَخْرُصُوْنَ ۔

قولہ: سارق کا بایاں ہاتھ یا اس کا انگوٹھا یا انگوٹھے کے علاوہ اس کی دو انگلیاں یا داہنا پاؤں کٹا ہوا یا ناکارہ نہ ہو (دفعہ ۱۴ شرط ۲) یعنی اگر یہ صورتیں ہوں تو حد ساقط ہو جائے گی۔

اقول: ہم اس تفریع کو بھی چور نوازی کے علاوہ کوئی نام نہیں دے سکتے لیکن یہ اختلاف دراصل ایک لحاظ سے اس بات پر مبنی ہے کہ کیا تیسری مرتبہ ہاتھ کاٹا جائے یا نہیں؟ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ تیسری مرتبہ بھی اجرائے حد ہے تو یہ بات پرِ کاہ سے زیادہ وزن کی حامل نہ ہوگی جیسا کہ خود قاضی صاحب کی بحث زیرِ دفعہ ۱۵ سے معلوم ہوتا ہے لیکن اس سے قبل ہم آپ کے سامنے دفعہ ۱۴ شرط ۵ کی تشریح ۲ پیش کرتے ہیں تاکہ آپ اندازہ لگا سکیں کہ اس مرہومِ فقہ کے پردہ میں چور پیشہ حضرات کا تحفظ کس انداز سے کیا گیا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

چنانچہ قاضی صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ اگر سرقہ بمقدار نصاب ایک شہر میں کیا گیا ہو اور سارق دوسرے شہر میں پکڑا گیا ہو جس میں مالِ مسروقہ کی قیمت نصابِ سرقہ سے کم ہو تو حد نافذ نہ ہو گی۔

آپ یقین جانیے ان دونوں صورتوں کے مضمرات کو لکھتے ہوئے ہمارا ضمیر شرم محسوس کرتا ہے کہ اگر کوئی غیر مسلم انہی ابحاث کو دیکھے تو وہ ہمارے اس دعوے پر کیا رائے قائم کرے گا کہ اسلام میں تمام مذاہب باطلہ سے زیادہ مال کا تحفظ کیا گیا ہے کہ ایک ناخواندہ آدمی بھی یہ تصور نہیں کر سکتا کہ ایک ایسا سارق جو چوری کرتا ہے اور اسی شہر میں رہتا ہے اس کو اس جرم کی پاداش میں سزا دی جائے کہ وہ یہاں سے بھاگنے میں کامیاب کیوں نہیں ہوا ہے اور اسی طرح دوسرے دن کے بھاؤ کا اعتبار کیوں نہیں کیا جاتا؟ پھر اس چور کے متعلق کیا خیال ہے جس پر عدالت قطع ید کا حکم نافذ کرتی ہے لیکن وہ اپنے ہاتھ کو بچانے ہوتے اپنا انگوٹھا کاٹ لیتا ہے یا داہنا پاؤں ناکارہ کر لیتا ہے؟

دفعہ ۱۵ - جس کا ذکر ہم اشارۃً پہلے کر چکے ہیں کہ اس ضمن میں قاضی صاحب نے یہ اختلاف بیان فرمایا ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک تیسری مرتبہ ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا بلکہ قید کیا جائے گا۔ البتہ امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک چاروں مرتبہ حد قائم کی جائے گی اور اگر پھر ضرورت محسوس ہو تو اسے قتل بھی کیا جا سکتا ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کے فتوے کی بنیاد حضرت علیؓ کے قول پر ہے کہ "مجھے شرم آتی ہے کہ میں اس (سارق) کے لیے کوئی ہاتھ نہ چھوڑوں جس سے وہ کھانا کھائے اور استنجا کرے اور کوئی پاؤں نہ چھوڑوں جس پر وہ چلے" اس بات پر احناف نے صحابہؓ کے اجماع کا دعویٰ بھی کیا ہے لیکن اجماع کا دعویٰ محل نظر ہے جیسا کہ ابن حزمؒ نے لکھا ہے اور علامہ ابن رشدؒ بھی فرماتے ہیں۔ کلا القولین مروی عن عمر و ابی بکرؓ اور شاید اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ "فقال الاکثر یقطع وقال ابو حنیفۃ لا قطع علیہ" اور پھر مستقل باب کے تحت فرماتے ہیں:

"قال ابن المنذر ثبت عن ابی بکرؓ و عمرؓ انہما قطعا الید بعد الید والرجل بعد الرجل۔

(تفسیر قرطبی ج ۶ ص ۱۷۲)

علامہ سرخسی حنفیؒ فرماتے ہیں:

قال ابراہیم وقد اختلف اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فمنہم من قال

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اقطع حتی اتی علی قوائمہ کلھا یرید بہ قول ابی بکر و عمر رضی اللہ عنہما ومنھم من قال اقطع یدہ ورجلہ ثم احبسہ یرید بہ قول علیؓ و ابن مسعود رضی اللہ عنہما (المبسوط ج ۹ ص ۱۶۶)

بالفرض اس اجماع کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو نصوص کے مقابلہ میں مرجوح ہی ہوگا اور یہ کہنا کہ امام شافعیؒ نے اپنی تائید میں جو حدیث پیش کی ہے وہ ضعیف ہے صحیح نہیں کیونکہ اس کی مؤید احادیث بھی موجود ہیں جن سے اس کا سقم رفع ہو جاتا ہے جیسا کہ اسماء بنت عمیس کا واقعہ اور حضرت ابو ہریرہؓ کی روایات ہیں جس کو دار قطنی کے حوالہ سے علامہ جزیری نے نقل کیا ہے۔ علامہ موصوف یہ تمام بحث لکھنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں۔

وقد اجاب المالکیۃ والشافعیۃ عن ھذا الدلیل بان ھذا الرای لا ھادم النصوص وان کان المتصوص فیہ ضعف کما قال الحنفیۃ فقد عاضدتہ الروایات الاخری الواردۃ بھذا المعنی (الفقہ علی المذاہب الاربعۃ ج ۵ ص ۱۶۳)

اسی طرح اگر قرآن مجید کے الفاظ "فاقطعوا ایدیھم وارجلھم من خلاف" پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ امام شافعی کا مسلک صحیح ہے کیونکہ اگر ایک ہاتھ کے بعد ایک پاؤں ہی ہوتا تو "ایدی" جمع کا صیغہ لا کر "من خلاف" کہنے کی ضرورت نہ تھی یعنی "من خلاف" اور "ایدی" کا تعلق بھی اسی صورت میں صحیح معلوم ہوتا ہے کہ چار مرتبہ حدِ قطع جاری ہے اور یہی صورت مشکل ہیں ہو گی ورنہ "حد مرتین" کے قائلین کو پاؤں کاٹنے کی اجازت نہ ہو گی اور یہ قرآن پر زیادتی ہو گی جیسے قاضی صاحب خود فرماتے ہیں کہ قرآن کریم پر زیادتی حرام ہے۔"

نیز یہ کہنا بھی محتاجِ وضاحت ہے کہ حد کا مقصد جان کو تلف کرنا نہیں ہوتا جبکہ بعض حدود کا مقصد ہی یہ ہے مثلاً قتل محاربت وغیرہ اور پھر حدِ سرقہ (چار مرتبہ) میں تو اتلافِ نفس ہوتا ہی نہیں اور جہاں تک معنویت کا تعلق ہے تو اسے زیادہ سے زیادہ چور نواز پر ہی محمول کیا جا سکتا ہے کہ کیا نبی علیہ السلام اس معنویت کو نہ سمجھتے تھے؟ اور آپ کا مرتفعین پر حدِ زنا نافذ کرنا بھی اس بات کا مؤید ہے بالخصوص جبکہ حبسِ دوام بھی معنوی ہلاکت ہی تو ہے۔

ھذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب

(مسلسل)

© rasailojaraid.com